پاکستانی اُردو غزل میں صوفیانہ جہتیں

پریا تابیتا، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، ایف۔سی کالج یونیورسٹی، لاہور

Abstract

In the Pakistani Urdu Ghazal there has always been a part of Sufism attached to it. Sufism has enlightened the Pakistani Urdu Ghazal with Sufi thoughts and views. Sufi way of thinking has made the complete Pakistani Urdu Ghazal unique and nearer to the classic ghazal. Since 1947, the Pakistani Urdu Ghazal has given poetic form to the important experiences and rich dimensions of Sufism. It is the specialty of the Pakistani Urdu Ghazal that it has absorbed Sufism into itself.

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ادب جس معاشرے میں جنم لیتا ہے، اس کا بہترین آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر دور کا ادب اپنے دور کی اقدار اور روایات کا ترجمان ہوتا ہے اور اُس میں جنم لینے والے سیاسی، تہذیبی، سماجی، معاشی، فکری اور اقتصادی مسائل و معاملات کا عکاس ہوتا ہے۔ ادب کا سماج کے ساتھ یہ مضبوط رشتہ ہی اس کی بقا کی ضمانت ہوتا ہے۔ پاکستانی اُردو غزل سرزمین پاک پر لمحہ لمحہ رقم ہونے والی تاریخ کی عمدہ عکاس اور پاکستانی غزل گو شعرا کے مطالعے، مشاہدے اور تجربے کا نتیجہ ہے۔ صوفیانہ نظام فکر نے پاکستانی اُردو غزل پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ صوفیانہ افکار و نظریات فارسی غزل کے زیر اثر اُردو غزل میں در آئے تھے، پاکستانی اُردو غزل اسی سلسلے کی ایک مظبوط کڑی ہے۔ صفی حیدر دانش لکھتے ہیں:

> ''تصوف وجد شاعرانہ کی ایک آئینی شکل ہے اور شاعری ذوق صوفیانہ کی ایک والہانہ صورت کہی جا سکتی ہے۔ ہر صوفی، ذوق شعر سے اور ہر شاعر، تصوف سے فطری لگاؤ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف و شاعری میں ان کے باہمی اشتراکیتِ وجدانیت کے سبب سے ایک ایسا بنیادی رابطہ قائم ہے جو کسی حالت میں منقطع نہیں کیا جا سکتا۔'' [۱]

پاکستانی شاعری کا تقریباً سارا دور سیاسی خلفشار اور نظریاتی تضاد کا دور ہے۔ اس صورت حالات نے کم و بیش ہر شاعر کو ایک خاص انداز سے متاثر کیا۔ اس دور میں تصوف کے سوتے پھوٹے اور پاکستانی اُردو غزل کو لفظی خوبیوں کے ساتھ ساتھ معنوی فکر بھی عطا کی اور دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ تصوف اور روحانیت کے مضامین کا بیان ایک انفرادی حیثیت اختیار کر گیا۔ پاکستانی اُردو غزل فلسفہ تصوف سے معمور ہو کر پاکستانی فرد کے روحانی احساسات کی نمائندہ بن گئی۔ مشرقی تہذیب کی تاریخ میں تصوف اور متصوفانہ تجربات کے پر اسرار سفر اور اردو غزل کے باطنی تجربے سے پاکستانی شعرا کا تخیل ایک مضبوط رشتے میں

بندھا ہوا نظر آتا ہے۔اس دور کے تقریباً سبھی شعرا کے یہاں مشرقی تصوف اور روحانیت کی جھلک نمودار دکھائی دیتی ہے ۔پاکستانی سرزمین پر متصوفانہ رجحان ایک مستقل روایت اور اسلوب کی حیثیت اختیار کر گیا اور صوفی و غیر صوفی، مقامی و مہاجر،معروف و غیر معروف ،شہری و مضافاتی ہر سخن ور تصوف کی رو میں بہتا ہوا دکھائی دینے لگا۔وہ شعرا جن کی غزل خالصتاً تصوف کی چاشنی میں ڈوبی ہوئی ہے،ان کی غزل میں رموز حقائق و اسرار کائنات کے ایسے دفینے نمایاں ہوئے ہیں کہ عقل کوتاہ اور شعور انساں انگشت بدنداں دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستانی شعرا کے یہاں تصوف کے زیر اثر ایک نیا احساس اور نیا شعور ملتا ہے۔زندگی کے متنوع پہلوؤں پر ان کی گہری نظر ہے۔اگرچہ ان کی غزل میں جذباتی،ذہنی،عملی اور فکری زندگی کے تمام پہلوؤں کی ترجمانی ملتی ہے مگر تصوف بالخصوص ان کے نزدیک ایک نقطہ نظر اور نظریہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔

صوفیانہ نظام فکر کی خاصیت ہے کہ یہ ہر دور کی ذہنی ضرورت رہا ہے۔پاکستانی اُردو غزل میں تصوف کے عمل دخل کی وجہ یہ بھی تھی کہ مصلحت وقت اور اقتضائے شاعری کی زیادہ شرائط تصوف ہی پوری کر سکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ کہ اُردو غزل کا مزاج ابتدا سے عاشقانہ ہے اور عشق تصوف کی روح ہے لہٰذا غزل اور تصوف لازم و ملزوم رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی اردو غزل نے بھی تصوف کے سارے عقائد اپنے پیکر میں سمو لیے اور پاکستانی اُردو غزل کا شاعر تصوف کے موضوعات کا مظہر بن گیا۔ پاکستانی اُردو غزل کی فضا میں تصوف ایسے رچ بس گیا کہ پاکستانی شاعر خواہ عقیدہ کے لحاظ سے صوفی ہوں یا نہ ہوں تصوف کے رنگ میں شعر کہنا شاعرانہ فریضہ سمجھ کر ادا کرنے لگے۔ پاکستان میں وہ غزل گو شعرا بھی نمایاں ہیں جو تصوف سے قلبی تعلق رکھتے ہیں اور وہ شعرا بھی نظر آتے ہیں جو روایت کی تقلید میں صوفیانہ رنگ میں اشعار کہتے رہے۔قصۂ مختصر یہ کہ خواجہ میر درد نے جس گلزارِ معرفت کا تخم دہلی کی زمین میں بویا تھا وہ تخم پاکستانی سرزمین شعر میں بھی پھلتا پھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

تصوف کے افکار و نظریات کی بدولت پاکستانی اردو غزل میں جذبۂ عشق کی کارفرمائی بہت نمایاں ہے۔عشق حقیقی کے طفیل اُس ذات پاک کی وحدت کی کثرت کے رنگ پاکستانی غزل کی ساری فضا پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جذبۂ عشق رسول ﷺ اور عشق اہل بیت کی بدولت اسلامی روح بے دار دکھائی دیتی ہے۔ جذبۂ عشق حقیقی کے تقدس، احترام اور پاکیزگی کے طفیل عشق مجازی بے راہ روی اور سفلی جذبات کی نذر ہونے سے محفوظ رہا،خود شناسی کے سفر نے اسے خدا شناسی کی راہ پر گامزن کیا، فلسفۂ جبر و اختیار نے غزل کو تقدیر اور تدبیر کے فلسفے سے روشناس کیا ہے، اسرار حیات و کائنات کی رسائی نے اسے مقامیت سے آفاقیت کی طرف موڑ دیا اور دائمی زندگی کے تصور سے آشنائی عطا کی۔ ہست و عدم کا فلسفہ،فنا و بقا، بے ثباتیٔ دہر اور زندگی کی معنویت اور موت کی حقیقت نے دُنیا اور آخرت کے حوالے سے فرد کے تصورات اور نظریات کو واضح کر دیا۔ فقر واستغنا نے اسے مادیت پرستی کے چنگل سے بچا لیا۔فلسفۂ اخلاق نے فرد کو اس کے مقصد تخلیق سے آشنا کیا،عظمت انسانی کے تصور نے اسے بشریت کے رموز سے آگہی بخشی،تسلیم و رضا، صبر و شکر، ذکر و فکر، عجز و انکسار اور توکل جیسے رویوں نے اسے یاسیت کا شکار ہونے سے بچایا، انسان دوستی اور وسعت قلب و ذہن نے مذہبی منافرت ،طبقاتی کشمکش اور تعصب کے سد باب میں معاونت کی، اخلاقی اقدار کے انحطاط اور زوال کے نوحے نے سوز و گداز پیدا کیا، شراب طہور،شراب معرفت،شاہد و ساقی،ساغر و مینا،صہبا، جام، مے کدہ جیسے الفاظ نے اسے صوفیانہ پس منظر میں ایک خاص تہذیبی

پیکر عطا کیا اور شیخ، واعظ اور زاہد کی ریاکاری نے اسے طنزیہ انداز عطا کیا۔ مذہب اسلام، دیگر مذاہب اور ان کے متعلقات کا بیان کثرت سے نمایاں ہے۔

پاکستانی اُردو غزل میں متصوفانہ افکار ونظریات کے زیر اثر الفاظ، تراکیب، تشبیہات و استعارات اور علامات ندرت اور شگفتگی کا باعث ہیں جو نہ صرف ندرت اور شگفتگی کا باعث ہیں بلکہ اس سے غزل کی معنویت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔جس نے اُردو زبان و ادب کے ذخیرۂ الفاظ کو بھی وسیع کیا ہے۔مذہب اسلام، دیگر مذاہب اور ان کے متعلقات کا بیان کثرت سے نمایاں ہے۔مجموعی طور پر صوفیانہ نظام فکر نے پاکستانی اُردو غزل کو سرتا پا تصوف کے رنگ میں رنگ کر کلاسیکی غزل سے قریب کرنے کے ساتھ ساتھ عہد جدید میں صوفیانہ روش کی پیروی کر کے انفرادیت بھی عطا کر دی ہے۔تصوف نے پاکستانی اُردو غزل کو فنی اور فکری دونوں سطحوں پر گنجینۂ تصوف کے طلسم سے نہ صرف آگاہ کر دیا ہے بلکہ یہ گنجینۂ تصوف اسے عطا بھی کر دیا ہے۔یہی پاکستانی اُردو غزل کا طرۂ امتیاز ہے۔

پاکستانی اُردو غزل میں داستان عشق کی ہمت افزائی اور پرورش تصوف ہی کی مرہون منت ہے۔ پاکستانی اُردو غزل میں خارج کے اظہار کے لئے عشق مجازی اور باطن کی ترجمانی کے لئے عشق حقیقی کا بھرپور تاثر نظر آتا ہے لیکن دونوں کے اظہار کے لئے علامات کم وبیش ایک جیسی ہی استعمال ہوئی ہیں۔اس لئے بعض اوقات مجاز اور حقیقت میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔جذبۂ عشق کے ذریعے حیات و کائنات کا ادراک ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔زندگی، کائنات اور خدا کے رشتے کی تلاش کو عشق ہی منزل عطا کرتا ہے۔خود شناسی سے خدا شناسی تک کا مرحلہ پاکستانی اُردو غزل کی اس ۶۵ سالہ مسافت میں شریک سفر رہا ہے۔ متصوفانہ نظریات اور صوفیائے کرام کا مخصوص انداز زندگی ہی دراصل حق شناسی کی راہیں ہموار کرتا ہے۔اس حوالے سے پاکستانی اُردو غزل سے مثالیں ملاحظہ کیجئے:

ہر ایک نقش ترے پاؤں کا نشاں سا ہے
ہر ایک راہ گزر تیرا آستاں سا ہے
(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم)

آئینے میں بھی اب کوئی تیرے سوا نہیں
مجھ کو مری نگاہ سے تُو نے چھپا دیا
(حفیظ ہوشیار پوری)

یہ خود فریبیٔ احساس آرزو تو نہیں
تری تلاش کہیں اپنی جستجو تو نہیں
(امید فاضلی)

بس یہی نکتہ اساسی ہے
خود شناسی خدا شناسی ہے
(شیر افضل جعفری)

گونج اٹھی غم کدہ ٔ روح میں اس کی آواز
خواب میں بہتے ہوئے چشمہ ٔ عرفاں کی طرح
(عرفانہ عزیز)

میں کوئی اور نہیں عکس نما ہوں تیرا
تو مرے سامنے آنے سے گریزاں کیوں ہے
(امجد اسلام امجد)

اپنے دیس میں مَیں پردیسی ، اپنے گھر میں مَیں مہمان
روپ انوکھے یاد تری کے ، تو چاہے اب مان نہ مان
(واصف علی واصف)

جذبہ عشق رسولؐ نے پاکستانی اُردو غزل پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ حبِ رسولؐ دراصل صوفیائے کرام کا مسلک ہے۔ وہ معاملات حیات میں اپنی عقل سے رہنمائی لینے کے بجائے سرور کائنات محمد رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرتے ہیں۔

بزم کو نین سجانے کے لیے آپؐ آئے
شمع توحید جلانے کے لیے آپؐ آئے
(ساغر صدیقی)

سنگِ درِ حبیبؐ ہے اور سر غریب کا
کس اوج پر ہے آج ستارہ نصیب کا
(واصف علی واصف)

عشق اہل بیت نے بھی پاکستانی غزل پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

تو کر چکا صنم و سومنات کی باتیں
تجھے سناؤں حسینؑ و فرات کی باتیں
(جعفر طاہر)

صدائے بوذرؓ و سلماں یہی تھی دُنیا میں
مسرتوں کو غریبوں کے نام کرنا ہے
(ساغر صدیقی)

مذہب نے اس سارے دورانیئے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ مختلف مذہبی فرقے اپنے الگ الگ معتقدات رکھتے ہیں مگر یک جہتی کی از حد ضرورت اس دور کا تقاضا تھی اور اس یک جہتی کو عشق کے بغیر پروان نہیں چڑھایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جذبہ عشق نے مذہبی منافرت دور کرنے اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس کے نتیجے میں وسعت قلبی، کشادہ ذہنی، آزاد خیالی، بے تعصبی اور رواداری کی فضا قائم ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ تنگ نظری، منافرت اور تعصب کی نفی نظر آتی ہے اور

دیر وحرم ایک ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔تمام ادیان و مذاہب ایک ہی منزل تک رسائی کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔

دیر میں تیرا بیاں، کعبے میں تیری گفتگو
پھر یہ کیا جھگڑا ہے تیرے چاہنے والوں کے بیچ
(راسخ عرفانی)

انہی کا مسکن انہی کا گھر ہیں ، انہی کی نسبت سے معتبر ہیں
حرم ہو ، طیبہ ہو ، میرا دل ہو ، یہ سب وہی ایک سلسلہ ہے
(سلیم احمد)

رندی ،سرمستی ، درویشی ،فقیری اور قلندری ، مادی اور عارضی سہولتوں کے برعکس دائمی زندگی اور فوائد کو عزیز رکھتی ہے۔ یہی رندی ، سرمستی ، درویشی اور قلندری ، وسیع المشربی کا درس دیتی ہے۔ظاہر پرستی ، ریاکاری، ہوس، بے انصافی اور ظلم سے دور رہتی ہے اور دور رہنے کی تلقین اور تاکید کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی اُردو غزل میں درویشی، بے نیازی ،عاجزی ، انکساری ،فقر واستغنا،صبر وقناعت ،توکل اور تسلیم ورضا جیسے مضامین ملتے ہیں جو صوفیانہ جہات کو فروغ دینے کا باعث ہیں۔

اپنے حال کو جان کے ہم نے فقر کا دامن تھاما ہے
جن داموں یہ دُنیا ملتی اتنے ہمارے دام کہاں
(مختار صدیقی)

بار پاتے ہی نہیں خدمتِ درویشاں میں
مال و زر، کبر و انا، تزک و حشم، نام و نمود
(شیر افضل جعفری)

تصوف اگرچہ فارسی شعری روایت کا محور ومرکز ہے مگر اُردو غزل پر اس کے اثرات ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں مرتب ہوئے ہیں بالخصوص میر وسودا کا عہد اس حوالے سے ایک مضبوط روایت کا ترجمان ہے۔تصوف اُس دور کی ذہنی ضرورت بن گیا تھا اور تصوف ہی نے اس دور کی دکھی انسانیت کو ایک مضبوط تصورِ حیات دیا تھا۔سرزمین پاک پر موجود انسانیت بھی دُنیا کی ناپائے داری اور زندگی کی بے ثباتی کے زیر اثر رہی ہے۔ ہمارا معاشرہ ابتدا سے اب تک بدنظمی ، اقتصادی بے سمتی ، بے مقصدیت ، انفعالیت ، سیاسی درماندگی اور آمرانہ سیاست سے دوچار رہا ہے۔ جبری دور ، خارجی دباؤ، خوف و ہراس ،خودکُش دھماکے ،ڈرون حملے اور ٹارگٹ کلنگ یہ وہ مسائل ہیں جو تا حال درپیش ہیں۔ چنانچہ پاکستانی اُردو غزل میں بھی ،ہست وعدم،فنا و بقا ، بے ثباتی دہر اور زندگی کی ناپائے داری جیسے بے شمار تصورات در آئے۔ ڈاکٹر بشیر بدر تقسیم ہند کے بعد غزل کی صورت حال کچھ اس طرح بتاتے ہیں:

> ''۔۔۔تنہائی ، ازلی وابدی نارسائی ، زندگی، بے ثباتی ، بے معنویت ، ناپائے داری، موت کا احساس ،تفکر کا کرب ،اپنی تلاش اور وجدیدیت کی طرف رجحان۔فرد کی ذات ، اس کی محرومیاں ،قسمت کی خود مختاری،انسان کی لاچاری،اردو غزل کی سرشت میں تصوف کے وسیلے سے غالب رجحان رہے ہیں۔ابھی

تک عام انسانوں کے لئے دو ہی موسم آتے جاتے رہے ہیں۔ایک تو وہ جب انقلابی اور رجائی ہو کر بہتر زندگی ،انقلاب اور آزادی کے خواب دیکھتا ہے خواہ وہ خواب راجپوت مغلیہ سلطنت کے مقابلے میں دیکھیں ۔مغل حکمران اور اس کے وفادار ہندوستانی انگریز حکومت کے خلاف دیکھیں یا بیسویں صدی میں آزادی کے مجاہدین بدیسی حکومت کے خلاف دیکھیں۔دوسرا موسم اداسی ،شکست خوردگی ،اضمحلال ، بے بسی اور'' ہم کیا کر سکتے ہیں'' ہوتا ہے۔عوام اور حساس ذہنوں کے مقدر میں دوسری حالت زیادہ رہتی ہے۔ایسے میں کوئی حرکی اور رجائی فلسفہ یاس انگیز مزاجوں سے مطابقت نہیں کر سکتا۔اس لئے تصوف کا اسلامی حلقوں میں اور بھگتی تحریک کا ہندو حلقوں میں عرصے تک بول بالا رہا'' [۲]

مثالیں ملاحظہ کیجئے:

واقف ہوں میں وجود مرا بے ثبات ہے
اس پر بھی مجھ کو حوصلۂ صدس حیات ہے
(تابش دہلوی)

صورت ہستی فنا ہو کر بقائے دوست میں
معنی نقش دوام دوست ہو جاتی ہے کیا
(ذہین شاہ تاجی)

تم پہ اسرار فنا راز بقا کھل جاتے
تم نے اک بار تو یزداں کو پکارا ہوتا
(پروین فنا سید)

گزرو نہ اس طرح کہ تماشا نہیں ہوں میں
سمجھو کہ اب ہوں اور دوبارہ نہیں ہوں میں
(عبیداللہ علیم)

پاکستانی معاشرہ نت نئے معاملات و مسائل کے باعث جس ویرانی اور بے حسی کا شکار رہو کر رہ گیا تھا اُس کا لازمی نتیجہ روحانی قدروں کے زوال، بے سمتی اور عدم اطمینانی کی صورت میں نکلا ۔ چنانچہ بہت سے شعرا کے ہاں سیاسی پستی کے درد ناک واقعات، عبرت خیز سانحے اور اس کے ساتھ ساتھ موجودات کا مطالعہ اور فطرت کی دل کشی ، رموز فطرت، خدا اور انسان کا باہمی رشتہ، انسان اور کائنات، حیات و موت، رموز حقائق و اسرار کائنات جیسے موضوعات اور استفہامیہ انداز متصوفانہ رجحانات کی توسیع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

موت اور زیست کے اسرار و رموز
آ مری بزم میں، آ ! غور سے سن
(ناصر کاظمی)

زندگی سے نپٹ رہا ہوں ابھی
موت کیا ہے مری بلا جانے

(حفیظ جالندھری)

اب اس سے بڑھ کے ہو کیا ربط کائنات و حیات
فضائیں گونجی ہیں انسان کی پکار کے ساتھ

(احمد ندیم قاسمی)

گماں ہے کیا اس صنم کدے پر
خیال مرگ و حیات کیا ہے

(منیر نیازی)

رمز یہ کھل جائے تو دُنیا میں دل پھر کیا لگے
پاس سے دیکھو تو مٹی ، دور سے دریا لگے

(خورشید رضوی)

فلسفۂ جبر و قدر ، تصوف کا ایک اور بہت اہم موضوع ہے ۔ خدا کی ذات ایک عظیم ہستی ہے ۔ وہ خدا قادر مطلق ہے اور انسان اس ہستی کے سامنے ایک فانی وجود ہے ۔ انسان کہیں با اختیار اور کہیں مجبور محض نظر آتا ہے ۔ بعض اوقات وہ بہت سے اختیارات رکھنے کے باوجود مجبور دکھائی دیتا ہے ۔ کہیں تدبیر کر کے بھی تقدیر کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے اور کہیں تقدیر اس کی تدبیر کو کارگر کر دیتی ہے ۔ گویا تقدیر اور تدبیر کی کشمکش برسر پیکار رہتی ہے ۔ فلسفۂ جبر و اختیار کے زیر اثر پاکستانی شاعروں کے یہاں دونوں نظریات کی عکاسی نمایاں ہے ۔ ڈاکٹر نفیس اقبال لکھتی ہیں :

> ''انسان خدائے بزرگ و برتر کے سامنے ایک آلہ ہے ۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ایسے ہے جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم یا کاریگر کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ۔ جاہل سمجھتا ہے کہ قلم لکھتا ہے لیکن عارف کہتا ہے کہ قلم کو کاتب اپنی مرضی سے چلا رہا ہے ۔ اسی طرح جاہل کی نظر ہتھیار پر اور عارف کی نگاہ کاریگر پر ہوتی ہے ۔ عارف جانتا ہے کہ ہتھیار کاریگر چلا رہا ہے اور اس کی نگاہیں مخلوق سے گزر کر خالق تک پہنچ جاتی ہیں ۔ عارف کی نظر میں مخلوق دیوار کی طرح بے جان اور بے حس ہے ۔ مخلوق کی حیثیت کٹھ پتلیوں سے زیادہ نہیں ۔ اسی لئے زندگی کو جبر کہا گیا اور انسان کو زندانی تقدیر ۔'' ۳

توفیق سے کب کوئی سروکار چلے ہے
دُنیا میں فقط طالع بیدار چلے ہے
(ادا جعفری)

ہر شے میں مجھ کو جبر کا عنصر دکھائی دے
موج ہوا چلے تو وہ پتھر دکھائی دے
(غلام جیلانی اصغر)

نہ جانے اختیار و جبر کے مابین انسان پر
اثر انداز تدبیریں کہ تقدیریں زیادہ ہیں
(انور شعور)

حشر ہم نے کیا کہ تو نے بپا
کس نے چکھے دیئے ہیں محشر کے
(واصف علی واصف)

غم کا بادل کھل کے مری روح پر برسا بہت
میں جیا جب تک تو جینے کے لیے ترسا بہت
(سلیم احمد صدیقی)

سلطنت مغلیہ کے عہد عروج میں سلاطین نے عدل و انصاف کو فروغ دیا، مختلف مذہبی طبقات کی مدد سے اتحاد اور یک جہتی کی فضا قائم کی۔ صوفی درویشوں نے انسان دوستی کا پیغام عام کیا۔ نتیجتاً کلاسیکی اُردو غزل میں تصوف، اخلاق اور عظمت انسانی کے تصور کو فروغ ملا۔ زمین پر انسان کا منصب، خدا کے نائب اور خلیفہ کا ہے۔ اسے صفات خداوندی کی عکاسی کا شرف بھی حاصل ہے اور وہ اشرف المخلوقات بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عظمت انسانی تصوف کا اہم موضوع ہے اور کلاسیکی غزل کے ساتھ ساتھ پاکستانی اُردو غزل کا بھی اہم موضوع رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں اگرچہ حکمرانوں کے رویے تو عدل و انصاف کی صفات سے عاری رہے ہیں اور رہنماؤں کے بھیس میں رہزنی کرتے رہے ہیں مگر صوفیانہ نظریات رکھنے والے شعرا نے اپنی مثبت سوچ کو اُردو غزل کے ذریعے فروغ دیا اور اخلاقی اقدار کا پرچار کر کے پاکستانی معاشرے کو ایک صحت مند معاشرے اور پاکستانی فرد کو عظمت انسانی کا تصور دیا۔

کوئی اعزاز نہیں حاکم و سلطاں ہونا
باعث فخر ہے انسان کا انساں ہونا
(راسخ عرفانی)

سقراط سے انسان ابھی ہیں کہ نہیں رام
تھوڑا سا کسی جام میں بس گھول کے دیکھو
(رام ریاض)

پڑھتا ہوں جب اس کو تو ثنا کرتا ہوں ربّ کی
انسان کا چہرہ ہے کہ قرآن کا پارا
(احمد ندیم قاسمی)

کلوری سے کربلا تک کی مسافت ناپ کر
میں سبیل احترام آدمی کر جاؤں گا
(کنول فیروز)

پاکستانی اُردو غزل میں ایک ایسے معاشرے کی عکاسی ہے جو اپنی تمام تر روحانی اور اخلاقی اقدار کو گنوا کر بے سمت اور بے منزل ہو کر رہ گیا تھا۔ قیام پاکستان سے تا حال، سیاسی انتشار اور زوال کی نت نئی صورتیں وقوع پذیر ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ اجتماعی نصب العین کی عدم موجودگی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی زوال کے نتیجے میں جنم لینے والے بحران نے اس خطۂ پاک پر بسنے والوں کو تصوف سے قریب کر دیا ہے۔ اس کی ایک صورت تو زندگی کے بے ثبات ہونے کے حوالے سے نظر آئی اور دوسری صورت احتساب نفس کی شکل میں نظر آئی۔ چنانچہ اردو غزل میں زندگی کی ناپائے داری کو سامنے رکھتے ہوئے اخلاقی اقدار کی پاس داری، نیک اعمال اختیار کرنے اور خدمت خلق کو زندگی کا شعار بنانے کی تلقین کی گئی تا کہ زندگی کی فلاح و بہبود آخرت میں سرخروئی کا باعث بن سکے۔ فلسفۂ اخلاق دراصل تصوف ہی کی دوسری صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی شاعروں نے اس صوفیانہ اخلاق کو بڑی مہارت سے اپنی غزلوں میں سمویا۔ لہٰذا وہ شعرا جو عملاً صوفی نہیں تھے وہ بھی اپنی غزلوں میں تصوف کے زیر اثر ایسا نظام اخلاق مرتب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ان کی شخصیت میں ایک صوفی کی ذات جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ صوفیانہ جہات کے زیر اثر پاکستانی اُردو غزل میں انسان کے لئے بہترین اخلاقی صفات سے متصف ہونے کی تلقین اور تاکید نظر آتی ہے۔ پاکستانی اُردو غزل ایک طرف باطن کی گہرائیوں میں اتر کر انسانیت اور انسانی کیفیات کو محسوس کرتی دکھائی دیتی ہے اور دوسری طرف ظاہر سے آنکھیں ملا کر خارجی حقائق سے بھی قدم ملا کر چلتی ہے۔ مثالیں ملاحظہ کیجئے:

شہزاد خود کو خلق سے افضل نہ جانیئے
ہم سب گناہ گار، فرشتہ نہ تو نہ میں
(شہزاد احمد)

جھکا کے آنکھ در و بام سے گزریئے گا
گلی کی ایک ہی عزت ہے گھر کسی کا ہو
(راسخ عرفانی)

سرزمین پاک پر آئے دن کی بدلتی ہوئی سیاسی، معاشی اور معاشرتی صورت حال کے نتیجے میں بے حسی، خودغرضی

منافقت ، ہوس ، طمع ، سستی ، کاہلی اور بے عملی کا دور دورہ ہوا اور اخلاقی اقدار کے زوال کی کرب انگیز صورت حال اور اس کا نوحہ پاکستانی اُردو غزل کا موضوع بن گیا۔ پاکستانی اُردو غزل میں مایوسی ، محرومی ، دوستوں کی بے اعتنائی ، رہبروں کی رہزنی ، منافقت ، افلاس ، بے روزگاری ، اخلاقی اقدار کی شکست و ریخت ، یادوں کے سراب ، جبر و استحصال کے خلاف احتجاج ، انسانیت ، زندگی کی فتح ، احساس تنہائی ، احساس زیاں ، مبہم امید اور یاد ماضی کا موضوع عام نظر آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں لوگوں کے اخلاق بگڑ جائیں اس میں طمع ، نفسانفسی ، بے عملی ، غرور ، بزدلی ، زر پرستی ، ظلم و جبر ، استحصال ، نا انصافی ، فرقہ واریت ، تنگ نظری معمول کی بات بن جاتی ہے۔ چنانچہ اقدار کا زوال ، منافرت ، فرقہ بندی ، خودغرضی ، بے حسی ، دُنیا سے بے زاری اور تساہل جیسی بے شمار منفی خصوصیات کا اُردو غزل میں منعکس ہو جانا فطری نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھتے ہیں :

> ''۔۔۔ انسان اکیلا ہے اور نئے ایجاد کئے ہوئے ہتھیاروں سے طاقت ور ہے ، موت کا کھیل کبھی جنگوں کی شکل میں برپا ہوتا ہے اور کبھی امن و سلامتی چاہنے والے لوگوں کے سامنے بمباری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ زمین پر انسان اپنا خود سے بہت بڑا عکس تراشنے کی کوشش میں ظالم بن چکا ہے۔ موت کے یقینی اور بے یقینی حملے جغرافیائی حد بندیوں ، صنعتی پروگراموں اور تلاش روزگار کے شور میں ایسے نازل ہوتے ہیں جیسے آسمان سے برق گرتی ہے اور پھر گہرے بادلوں میں چھپ جاتی ہے۔ یہ سب کیا ہے ؟ ہم کون ہیں ؟ میں کون ہوں ؟ زندگی کے معانی کیا ہیں ؟ رات کی پھیلی ہوئی سیاہی کیوں ہے ؟ یہ جنگل کس عبادت گاہ کے بغیر ہے ؟ لمحے کی داستان کیا ہے ؟ رات ، سفر اور ایک نہ ایک دن ملنے والی منزل۔ کیا یہ زندگی ہے۔؟''[۴]

جاہل کو اگر جہل کا انعام دیا جائے
اس حادثۂ وقت کو کیا نام دیا جائے
(محسن بھوپالی)

تم پر ہی نہیں موقوف، آج کل تو دُنیا میں
زیست کے بھی مذہب ہیں، موت کی بھی ذاتیں ہیں
(مصطفیٰ زیدی)

اب رہ و رسم دوستی بس یہی ہو کے رہ گئی
کوئی فریب دے سکے کوئی فریب کھا سکے
(پیرزادہ قاسم)

ڈاکٹر ممتاز الحق لکھتے ہیں:

> ''نئی غزل کا فکری تناظر ہندوستان اور پاکستان میں تقریباً ایک جیسا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں ملکوں کی نئی غزل میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ پاکستان کی نئی غزل میں نئی شاعری کی تمام خصوصیات ملتی ہیں مثلاً جدید حسیّت کا پیدا کردہ روحانی اضطراب ، لاسمتیت ، بے معنویت ، اقدار و عقائد کی شکست ،

روایتی شاعری اور روایتی طرز زندگی پر سے ایمان کا اٹھ جانا، تلاش ذات کا مسئلہ وغیرہ مگر جیسا کہ ہم جانتے ہیں نئی شاعری محض انہیں خیالات اور تصورات کا نام نہیں ہے اس لئے ابتدا سے ہی پاکستانی غزل میں کچھ ایسے عناصر دکھائی دیتے ہیں جن کا تعلق وہاں کی مخصوص روایات، جغرافیائی اور تاریخی حقائق اور ادبی اور تہذیبی پس منظر سے ہے۔'' ۵

صوفیانہ شاعری میں گریہ زاری بہت اہمیت کی حامل ہے۔اس کی بدولت دل میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور انسان میں عجز و انکسار کی صفت پیدا ہوتی ہے۔خدا کا قرب حاصل کرنے کے بہت سے طریقوں میں یہ ایک اہم حربہ ہے۔تصوف میں باطن کی پاکیزگی اور دل میں سوز و گداز کی موجودگی کو عبادت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔سالک کی زندگی میں غم والم، سوز و گداز جس قدر زیادہ ہوتا ہے اور وہ نفس کشی پر جتنا قادر ہوتا ہے اُسی قدر اُسے آگہی، ادراک اور عروج نصیب ہوتا ہے۔اسی نظریے کے زیر اثر دکھ درد، آہ و فغاں، رنج والم اور گریہ زاری ابتدا ہی سے اردو غزل کا موضوع ہے۔

اشکوں سے اپنی جھولی قدح خوار بھر چکے
یوں بھی وہ اپنی روح کو سرشار کر چکے
(سعادت سعید)

گریۂ نیم شبی کی نعمت جب سے بحال ہوئی
ہر لحظہ امید حضوری بڑھتی جاتی ہے
(افتخار عارف)

ڈاکٹر سعادت سعید اپنے مضمون ''پاکستانی اُردو غزل۔ایک اجمالی تعارف'' میں لکھتے ہیں:

'' ۱۹۴۷ء کے بعد سے لے کر آج تک پاکستانی شاعروں نے جو دیکھا اور جو سنا اسے افسانہ نہیں سمجھا حقیقت جانا اور اسے لکھا۔ پاکستان کی مخصوص معاشرتی اور سیاسی صورتِ حال کے اثرات کے علاوہ پاکستانی غزل گو شعرا بین الاقوامی فکری تحاریک سے بھی متاثر ہوئے۔ بے اعتقادی، تشکیک اور آزاد خیالی کے رویے پاکستانی غزل کا حصہ بنے۔منفی اخلاقیات کے پھیلاؤ کے نتیجے میں ان کی غزلوں کے معنوی منظر نامے تبدیل ہوئے۔تنہائی، انفرادیت پسندی، خود غرضی اور سرمایہ پرستی کے رجحانات کو فروغ ملا۔ واحد متکلم کا کثرت سے استعمال، مروجہ اخلاق پر شدید چوٹیں، اقتدارِ اعلیٰ سے روگردانی وغیرہ کے رویوں سے اُردو غزل مملو ہوئی۔حزن و ملال اور درد و غم کے اظہار کے ساتھ ساتھ ہمارے بعض غزل گو شعرا کے ہاں سماج کی تبدیلی کے خیالات بھی قلمبند ہوئے۔'' ۶

کلاسیکی غزل کے تتبع میں شاہد و ساقی، جام و سبو، صہبا، مے کدہ، شرابِ طہور، چشمِ ساقی، شیشہ و ساغر، پیر مغاں، رندی و سرمستی اور آتشِ شوق جیسے الفاظ نے پاکستانی اُردو غزل کو ایک خاص تہذیبی پیکر عطا کیا۔ یہ تمام علامات دراصل مجازی نقطہ نظر سے محبوب سے متعلق ہیں مگر عشق حقیقی میں ان علامات کے مخصوص مفاہیم ہیں جو ثقافتی پس منظر، مذہبی ورثے اور دینی تعلیم کے شعور کے عکاس ہیں۔ ان علامات کے استعمال سے پاکستانی اُردو غزل میں روحانیت کے سرچشمے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں

اور سالک شراب معرفت سے محظوظ ہو کر یک گونہ بے خودی میں مدہوش ہو جاتا ہے۔

رندِ رب و رسولؐ ہوں افضل
روز وقت سحور پیتا ہوں
(شیر افضل جعفری)

نہ وہ اہتمام مئے کہن، نہ وہ میکدے کا نظام ہے
نہ وہ رند ہیں، نہ وہ ہاؤ ہو، نہ وہ دور ہے، نہ وہ جام ہے
(پیر سید نصیر الدین)

پاکستانی اُردو غزل میں شراب اور اس کے متعلقات کا ذکر، کلاسیکی رنگ کا ترجمان ہے۔ واعظ، شیخ اور زاہد کا تذکرہ قدیم اُردو غزل کی تقلید میں مذکورہ شخصیات کی مکاری، ہوشیاری اور خود غرضی کا عکاس ہے۔ دراصل معاشرے میں پھیلی گھٹن اور بے بسی کے ردعمل کے طور پر طنزیہ انداز غزل میں ابھرا اور نتیجتاً زاہد، ملا، واعظ اور شیخ طنز کے نشتروں کی زد میں آتے دکھائی دیتے ہیں۔

بھلا شیخ و برہمن میکدے کی قدر کیا جانیں
کسی مے خوار سے پوچھے کوئی توقیر مے خانہ
(راسخ عرفانی)

حوروں کی طلب اور مے و ساغر سے ہے نفرت
زاہد ترے عرفان سے کچھ بھول ہوئی ہے
(ساغر صدیقی)

زندگی جس قدر وسیع ہے اسی قدر اس کے موضوعات بھی بیکراں ہیں۔ شاعری ہمیشہ سے داخلیت پر اصرار کرتی ہے اور داخلیت کا دوسرا مفہوم روحانیت ہے۔ فلسفۂ تصوف اُردو غزل کا ایسا موضوع ہے جو تمام عالم میں رواں دواں ہے۔ تصوف ایک ایسا مسلک ہے جس کا مقصد عرفان ذات سے عرفان خداوندی تک محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے اُردو غزل متصوفانہ رجحانات سے وابستہ رہی ہے۔ اگرچہ سائنسی و صنعتی ترقی کی تیز رفتاری کے باعث کلاسیکی روایات کے گہرے رنگ کسی قدر پھیکے پڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نئے موضوعات، اسالیب اور نئی اصناف کا رنگ چڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر تصوف کی روایت کسی نہ کسی رنگ میں جاری و ساری رہی ہے۔ دراصل تصوف کی بہترین روحانی اقدار اور عظمت انسانی کے تصورات اس قدر مضبوط اور مستحکم ہیں کہ بدستور برقرار ہیں۔ علامہ اقبال نے تصوف کو ایک نئی معنویت عطا کر دی۔ اقبال کے بعد ترقی پسند تحریک کے زیر اثر انسان دوستی، مساوات، یک جہتی اور وسیع المشربی کا جو تصور ابھرا وہ بھی دراصل شعوری و لاشعوری سطح پر تصوف ہی کے اثرات کا نتیجہ تھا اور پاکستانی اُردو غزل نے بطریق احسن ان تصورات کی ترجمانی کر کے صوفیانہ جہات کی ترویج کا فریضہ ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر رضا حیدر لکھتے ہیں:

''جدید شعرا نے وجودیت Existentialism اور نفسیات کے ذریعے داخلیت کو ایک وسیع تر معنی دینے کی

کوشش کی۔وجودیت نے داخلی تجربے اور ذاتی تجربے پر زور دیا اور اسے ہی ایک حقیقت تسلیم کیا۔نفسیات میں فرائڈ نے لاشعور کا تصور دے کر انسانی سائیکی کو ایک نیا نام دینے کی کوشش کی اور یہ بتایا کہ انسانی شخصیت اس کے خارج سے نہیں بلکہ داخل سے پہچانی جاتی ہے۔انسان جتنا مخفی ہے اتنا ظاہر میں نہیں ہے۔یعنی اصل حقیقت اس کا باطن ہی ہے اور باطن ہی پر تصوف نے بھی اپنی اساس رکھی ہے۔'' ۷

پاکستانی اُردو غزل کا ماجرا ارض پاک کی تاریخ کا حصہ بن گیا ہے۔فرد نے اپنے اجتماعی تمدن کے ساتھ جوں جوں رشتہ مضبوط کیا توں توں غزل کے موضوعات موثر ہوتے چلے گئے۔تہذیبی صورت حال کی عکاسی، ذاتی اور قومی بحران کا حال، معاشرتی تضادات، شہر آشوب کی سی کیفیات میں جھنجھلاہٹ اور اس کے ردعمل کی صورت حال، مذہبی اور صوفیانہ طرز احساس پاکستانی اُردو غزل میں منعکس ہو گیا ہے۔ڈاکٹر اجمل نیازی اپنے مضمون ''پاکستانی اُردو غزل۔ایک اجمالی جائزہ'' میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔مذہبی طرز احساس نے غزل کا رنگ و روپ بدل دیا۔پہلے زمانے میں عقیدہ اور دینی وابستگی غزل سے غائب ہے۔اب غزل میں انسانی احساس کا رشتہ غیب کے ساتھ قائم ہوا۔جب مادی دنیاوی ترجیحات شہری اور شعوری حوالوں سے شاعری میں مروج تھے تو محبت کے اظہار میں بھی خواہشوں کا زور دکھائی دیتا ہے۔لاشعور کا عمل دخل بھی بدن کے تقاضوں کے مطابق غزل میں شامل ہوا۔اس کے برعکس باطنی دریات کی بات مذہبی دلچسپیوں سے ظاہر ہونا شروع ہوئی۔ماورائی کیفیات اور مابعد الطبیعاتی انکشافات کا سلسلہ غزل کو اسرار اور انوار کے علاقوں میں لے گیا۔ایک خوش گوار حیرت یہ ہے کہ یہ رجحان نئی نسل کے شاعروں میں ظہور پذیر ہوا۔'' ۸

پاکستانی غزل گو شعرا کے اذہان و قلوب نے اپنے عہد میں پرورش پانے والے مختلف النوع فکری خیالات اور بوقلموں تصورات سے متاثر ہو کر پاکستانی اُردو غزل کو انفرادیت عطا کی۔اقتصادیات، عمرانیات، انسانیات، جمالیات، اخلاقیات اور منطق کے حوالے سے پرورش پانے والے خیالات نے پاکستانی غزل کو نوع بہ نوع نفسیاتی، شخصیاتی اور اجتماعی رجحانات سے ہمکنار کیا۔شعور ذات اور اظہار ذات کے جان دار روّیوں نے پاکستانی اُردو غزل کے جذبات، احساسات اور خیالات کو وسعت بخشی۔رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''اُردو غزل نے پہلے کبھی فارسی غزل سے جو قرض لیا تھا اب وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر ادا کر سکتی ہے اور اُردو غزل کی اس پیش کش سے جدید فارسی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔'' ۹

پروفیسر عنوان چشتی اپنے مضمون ''نئی غزل میں روحانی حسیّت کا اظہار'' میں لکھتے ہیں:

''جدید غزل نے تصور ذات سے اپنا تخلیقی سفر شروع کر کے احساس ذات تک ان تمام داخلی اور روحانی کیفیتوں کو سمیٹ لیا ہے جو اس سفر کا ماحصل ہیں۔پھر ایک جست لگا کر وجود کے تجربے اور ذات کو وسیلہ بنا کر اس پیچیدہ بے کنار اور متنوع سائیکی کا جمالیاتی اظہار کیا ہے،جس کو انسان کا روحانی وجود یا وجدانی یا باطنی تشخص کہا جا سکتا ہے۔'' ۱۰

عصر حاضر میں ایمانیات کو یقینیات کی کیفیت میں ڈھالنے کے لیے اور ایمان کی حقیقت سے بہرہ ور ہونے کے لئے نظام تصوف کی ضرورت و اہمیت پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے۔ پاکستانی اُردو غزل نے ۱۹۴۷ء سے تا حال پاکستانی اردو غزل نے تصوف کے تمام تر وقیع تجربات اور صحت مند رجحانات کو شعری پیکر عطا کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تصوف کا یہ صحت مند تصور اسی جذبے سے جاری و ساری رہے اور قلب انساں کو خالق حقیقی کی روشنی سے فروزاں کرتا رہے۔ امید واثق ہے کہ پاکستانی اُردو غزل یہ فریضہ بخوبی ادا کرتی رہے گی۔

حواشی:

۱۔ صفی حیدر دانش، سید، پروفیسر، تصوف اور اُردو شاعری، لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۱۹۴۸ء، ص: ۲۱

۲۔ بشیر بدر، ڈاکٹر، آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۳۲

۳۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں تصوف۔ میر، سودا اور درد کے عہد میں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۴۰

۴۔ گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، لاہور میں اُردو شاعری کی روایت، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۷۷، ۱۷۸

۵۔ ممتاز الحق، ڈاکٹر، جدید غزل کا فنی، سیاسی و سماجی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۱۳

۶۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، پاکستانی اُردو غزل۔ ایک اجمالی تعارف، مشمولہ، اُردو غزل (ہند و پاک غزل سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ)، مرتبہ: کامل قریشی، ڈاکٹر، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص: ۲۸۲، ۲۸۳

۷۔ رضا حیدر، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں تصوف اور روحانی اقدار، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۳۸

۸۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر، (مضمون) ''پاکستانی اُردو غزل۔ ایک اجمالی جائزہ''، مشمولہ ''ماہ نو''، لاہور: جلد نمبر ۴۳، شمارہ نمبر ۳، مارچ ۱۹۹۰ء، ص: ۸۲

۹۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر، جدید غزل، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۵

۱۰۔ عنوان چشتی، پروفیسر، نئی غزل میں روحانی حسیّت کا اظہار، مشمولہ، اُردو غزل (ہند و پاک غزل سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ)، مرتبہ: کامل قریشی، ڈاکٹر، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۱۴

II